Urdu Nama
Refreed Journal
ISSN No. 2320-4885
Vol.3- No.6, Oct,2015 to Mar. 2016

ڈاکٹر چمن آرا

فراق کی شاعری: ایک جائزہ

فراق اردو شاعری میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انھیں شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا تھا لیکن ان کا اندازِ سخن خود ان کا وضع کیا ہوا تھا۔ ابتدائی دور میں انھوں نے روایتی انداز کی شاعری کی اور اردو کے مشہور شعرا کی تقلید کی۔ فراقؔ میرؔ کی شاعری کے بہت معترف تھے۔ انھوں نے میرؔ کے لب ولہجہ، اور طرزِ بیان سے خاصا استفادہ کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میرؔ اور فراقؔ دونوں کے عہد میں اور مرکزی احساسات میں فرق نمایاں تھا۔ چنانچہ فراقؔ نے میرؔ کی تقلید تو کی مگر موضوعات اپنے عہد سے لیے۔

فراق کی شاعری پر میرؔ اور غالبؔ کے علاوہ مصحفی اور کہیں کہیں امیر مینائی کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری پر باقاعدہ اصلاح وسیم خیرآبادی سے لی اور پھر اپنا رنگ اپنی آواز اور اپنا راستہ بنالیا۔ اپنی شاعری سے متعلق اپنے مجموعے ''شعلہ ساز'' میں انھوں

نے کہا تھا:

''میری شاعری کا بہت خفیف سا حصہ ظاہری طور پر تقلیدی ہے اور باطنی اور معنوی لحاظ سے تو میں نے تقلیدی شعر کہے ہی نہیں ہیں۔ مجھے لکھنؤ اسکول کا چسکا کبھی نہیں پڑا۔شروع ہی سے دلی اسکول کی صداقت اور خلوص کا قائل رہا ہوں۔لیکن اہل دلی کی تقلید یا تتبع کبھی میں نے شاید ہی کیا ہو۔'' (شعلہ ساز ،فراق گورکھپوری ص:6)

فراقؔ نے اپنی غزلوں میں عشق کا رشتہ زندگی سے جوڑا۔ان کی شاعری میں اوپر سے عائد کیا ہوا کوئی پیغام یا فلسفہ نظر نہیں آتا بلکہ ایک نئے سماجی اور تہذیبی شعور کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ زندگی کے ایک خاص رویہ کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ رویہ مثبت ہے۔ عبدالقادر سروری کے لفظوں میں:

''اس دور کے نمایاں غزل گو شاعر فراق گورکھپوری ہیں۔جن کے ہاتھوں غزل ایک دفعہ خاموش انقلاب کی طرح قدم بڑھاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور نظم کے دوش بدوش نئی تحریکوں سے ہم آہنگ ہو کر خیال و ادب اور اسالیب کی ارتقا اور ایک حد تک موجودہ ادبی رجحانات کی وہ جھلک پیدا کرتی ہے جس کی وسیع نمائندگی اس دور کا ادب اور شاعری کر رہی ہیں۔'' (نیا دور ،فراق نمبر حصہ دوم ص 16)

فراقؔ نے جس وقت شاعری شروع کی اس وقت غزل پر چاروں طرف سے اعتراضات کی بارش ہو رہی تھی۔ جوشؔ ،عندلیبؔ شادانی اور کلیم الدین احمد نے غزل کو ہدف ملامت بنا رکھا تھا۔غزل کے خلاف حالیؔ کے مقدمے کی دفعات نے اس صنف کے سلسلے

میں تعصب کی ایک فضا قائم کر دی تھی اس کے بعد عظمت اللہ خاں نے غزل کو گردن زدنی قرار دے دیا۔ ترقی پسندوں نے اسے جاگیرداری عہد کی انحطاط پسندگی کا ترجمان سمجھا۔ ان حالات میں غزل کی صنف کو اپنے تخلیقی اظہار کا بنیادی وسیلہ بنانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔ فراقؔ تو نئی فکر اور نئے ادبی میلانات سے اچھی طرح واقف بھی تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے اس صنف کے نئے امکانات کا سراغ لگایا۔

فراقؔ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے ایک خاص قسم کی فضا تعمیر کرتے ہیں۔ زندگی اور سماج کی بدلتی ہوئی قدروں کو فراق نے اپنی شاعری کا جزو قرار دیا۔ اپنے زمانے کی آواز کو سمجھا اور اس آواز کو اپنی شاعری کے قالب میں ڈھال دیا۔ ان کی شاعری میں عصری حسیت کی جھلکیاں واضح نظر آتی ہیں یہ اشعار دیکھیے :

بے محابا انقلاب آنے کو ہے
ہوشیار اے اہل دنیا ہوشیار

زندگی کیا ہے آج اسے اے دوست
سوچ لیں اور اداس ہوجائیں

اس دور میں زندگی بشر کی
بیمار کی رات ہوگئی ہے

جاؤ نہ تم اس گم شدگی پر، کہ ہمارے
ہر خواب سے اک عہد کی بنیاد پڑی ہے

ہمت اے اہل وطن یاد رہے قوموں کی
دیکھتے دیکھتے تقد پر پلٹ جاتی ہے

اور کچھ بھی نہ کرے میری غزل لیکن ہاں
زندگی تجھ کو وہ کچھ خواب دکھا جاتی ہے

فراق نے ان اشعار میں زندگی اور اپنی دنیا کے مسائل کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ ان اشعار میں ان کی فکر، شعور، مشاہدہ اور تجربہ ہمیں ایک نئے جمالیاتی ذائقے کا احساس دلاتا ہے۔

فراق کی غزلوں میں حسن وعشق کا روایتی تصور بھی ایک وسیع اور ہمہ گیر جذبے کی حیثیت سے اجاگر ہوا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جذبے نے ایک نئی آگہی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ مجموعی طور پر اسے زندگی کا ایک نیا رویہ سامنے آیا ہے۔

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
خیر تم نے تو بے وفائی کی

بہت دنوں میں محبت کو یہ ہوا معلوم
جو تیرے ہجر میں گزری وہ رات رات ہوئی

شام بھی تھی دھواں دھواں حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کر رہ گئیں

کسی کا یوں تو ہوا کون عمر بھر پھر بھی
نئی نئی سے ہے کچھ تیری رہ گزری پھر بھی

ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی ہے

عشق کی آگ ہے وہ آتش خود سوز فراقؔ
کہ جلا بھی نہ سکوں اور بجھا بھی نہ سکوں

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

یہ اشعار بظاہر عشقیہ میں لیکن ان میں عاشقانہ جذبات کے ساتھ عصری حقائق اور مسائل کی طرف اشارے بھی موجود ہیں۔ فراقؔ کا تصورِ عشق محض ان کی افتادِ طبع اور تجربات کی بنیاد پر قائم نہیں، اپنے غموں کو انھوں نے غمِ زندگی سے جوڑ دیا ہے۔ فراقؔ نے اپنے ہر غم سے کام لیا ہے۔ اسے ایک قوت محرکہ کی حیثیت دے دی ہے۔ نادر تشبیہات اور استعارات کے استعمال نے تجربوں کے بیان میں ایک نئی جہت پیدا کر دی ہے۔ فراق نے تشبیہات ہندوستانی معاشرے سے لی ہیں۔ اور ہندوستانی طرز فکر اور مقامی روایات کی مدد سے اپنا عالم شعور ترتیب دیا ہے۔ اسی لیے فراقؔ کی غزل ہمیں اردو غزل کی پوری روایت میں ایک

الگ جمالیاتی منطقے سے مربوط دکھائی دیتی ہے: مثلاً

دلوں میں داغِ محبت کا اب وہ عالم ہے
کہ جیسے نیند میں ڈوبے ہوں پچھلی رات چراغ
دلوں کو تیرے تبسم کی یاد یوں آئی
کہ جگمگا اٹھیں جس طرح مندروں میں چراغ

زلفِ شب گوں کی چمک پیکرِ سیمیں کی دمک
دیپ مالا ہے سرگنگ و جمن کیا کہنا

خیالِ گیسوئے جاناں کی وسعتیں مت پوچھ
کہ جیسے پھیلتا جاتا ہو شام کا سایہ

فراقؔ نے نظم نگار کی حیثیت سے بھی ایک خاص امتیاز حاصل کیا ہے۔ نظم میں جزئیات کے بیان کی کافی گنجائش ہوتی ہے۔ چنانچہ فراق کی نظموں کا ماحول بھی مختلف ہے ان کی نظموں کا لب ولہجہ جوشؔ اور اقبالؔ کے لہجے سے الگ ہے۔ فراقؔ نے معرّیٰ اور پابند دونوں قسم کی نظمیں لکھیں۔ فراقؔ کی نظموں میں ہندوستانی روح اپنی موجودگی کا مستقل احساس دلاتی ہے۔ ہنڈولہ، پرچھائیاں، آدھی رات، جگنو، اور کارتک پورنیما جیسی نظمیں اسی احساس کی غماز ہیں۔ ان نظموں کے واسطے سے فراقؔ نے اردو نظم میں فکری اور معنوی سطحوں پر خاصا اضافہ کیا ہے۔ وہ نظم کے تازہ تر امکانات اور مزاج سے بھی ہم آہنگ رہے۔ شامِ عبادت، ترانۂ عشق، اور جدائی عاشقانہ نظمیں ہیں۔ تلاشِ حیات، آدم نامہ اور دھرتی کی کروٹ اپنے عہد اور وطن کی صورتِ حال کی عکاس ہیں۔ پرچھائیاں اور آدھی رات یہ دونوں نظمیں انسان اور فطرت کے

رشتوں میں مبنی ہیں۔ جگنو بیانیہ انداز کی نظم ہے۔ ہنڈولہ میں آپ بیتی کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ اس کا سلسلہ جگ بیتی سے جا ملتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ نظمیں موضوعاتی اعتبار سے متنوع ہیں۔ فکر وشعور کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

''تلاشِ حیات'' میں انھوں نے اپنے ہم وطنوں سے خطاب کیا ہے۔ اس نظم کی خوبی اس کا محرک جذبہ اور وژن ہے۔ آدم نامہ میں فراقؔ نے اجتماعی احساس کو ایک کورس کی شکل میں بیان کیا ہے۔ اس نظم میں ہر بند کا خاتمہ جس مصرعے پر ہوتا ہے اس کی حیثیت مرکزی ہے۔ اس کے واسطے سے نظم کا بنیادی خیال سامنے آجاتا ہے۔

ہم زندہ تھے، ہم زندہ ہیں، ہم زندہ رہیں گے

فراقؔ کی انفرادیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے ہمیشہ رجائی انداز سے سوچا۔ قومی نظموں میں قنوطیت کو اپنے اوپر کبھی حاوی ہونے نہیں دیا۔ انھوں نے اس سرزمین کے ساتھ ساتھ اس پر آباد انسانوں کی عظمت کا قصیدہ بھی پڑھا۔

کھیتوں کو سنوارا تو سنورتے گئے خود بھی
فصلوں کو ابھارا تو ابھر گئے خود بھی
فطرت کو نکھارا تو نکھرتے گئے خود بھی
ہم زندہ تھے، ہم زندہ ہیں، ہم زندہ رہیں گے

جدید نظم کے ممتاز شاعر بلراج کومل فراق گورکھپوری کی نظموں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''فراقؔ نے ہندوستانی ادب، ہندوستانی تاریخ، ہندوستانی اساطیر، مغرب ادب عالمی تناظر کے فعال عناصر کو نہ صرف اپنی شخصیت کا حصہ بنایا ہے بلکہ تخلیقی اظہار کی سطح پر ان سے کسب نور کیا ہے۔ ماضی،

حال، مستقبل ان کی یہاں انسانی صورت حال کی تفہیم کا حصہ بن گئے

ہیں۔'' (ایوانِ اردو، فراق نمبر مارچ ۱۹۹۷، ص: 39)

''دھرتی کی کروٹ'' نظم میں محنت کش طبقے کے مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ یہاں فراق کا عام زاویہ نظر مارکسی ہے۔ نظم میں مصرعوں کا آہنگ رجز یہ ہے جو نظم کے ڈرامائی تاثر کو برقرار رکھتا ہے۔ اپنے موضوع اور تجربے کے اعتبار سے یہ ایک الگ رنگ کی نظم ہے۔ نظم کے دو بند ملاحظہ ہوں:

یہ ہم سے انصاف کریں گے؟

کیا بکتے ہو؟ رام کہو

ان کے بہی کھاتے سے ہمیں کیا

لینا ایک نہ دینا دو

نرم بھی پڑ کے گرم بھی پڑ کے

دنیا کو دیتے ہیں بھرے

یہ جیون کا رتھ کھینچیں گے

راہ کی اڑیل ٹٹوان کے لڑے

فراق کی نئی نظمیں ، ہاں اے دل افسردہ، نغمۂ حقیقت اور ترانۂ خزاں، ان کی قادرالکلامی کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ان نظموں میں شاعر کی توجہ انسان کے باطن پر ہے۔ ان میں فکر اور دروں بینی بھی پائی جاتی ہے۔ اسلوب پر شکوہ ہے۔

''آدھی رات'' نظم فراق کی مقبول ترین نظموں میں سے ہے اس نظم کو ایک نئے طرز احساس کی ترجمان بھی کہا جا سکتا ہے۔ شعور کی ایک پر پیچ رو، اور آزاد تلازمۂ خیال نے اس

نظم کو ایک مکمل روداد کی حیثیت دے دی ہے۔ ایک ایسی روداد جو انسان کے باطن کی دنیا اور خارج کی دنیا کا احاطہ ایک سی چابک دستی کے ساتھ کرتی ہے۔ نظم کی جمالیات بہت نمایاں ہے۔ آغاز مناظرِ فطرت کی صورت گری سے کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سیاہ پیڑ ہیں اب آپ اپنی پرچھائیں
زمین سے تا مہ وانجم سکوت کے مینار
جدھر نگاہ کریں اک اتھاہ گم شدگی
اک ایک کرکے فسردہ چراغوں کی پلکیں
جھک گئیں جو کھلی ہیں جھپکنے والی ہیں
جھلک رہا ہے پڑا چاندنی کے درپن میں
رسیلے کیف بھرے منظروں کا جاگتا خواب
فلک پہ تاروں کو پہلی جمائیاں آئیں

''پرچھائیاں'' بھی فراق کی نمائندہ نظموں میں شامل ہے۔ یہ نظم محاکات نگاری اور حسّی روایات کے بیان کا ایک غیر معمولی مرقع ہے۔ حیات و کائنات کی پرچھائیاں ایک ساتھ سامنے آتی ہیں۔ لہجہ اور آہنگ پراثر ہے۔ یہ خالص رومانی احساس کی نظم ہے اور سراپا نگاری کے اعتبار سے بہت کامیاب ہے۔ مثلاً

یہ روپ سر سے قدم تک حسین جیسے گناہ
یہ عارضوں کی دمک، یہ فسوں چشم سیاہ
یہ دھج نہ دے جو جنتا کی صفتوں کو پناہ
یہ سینہ پڑ ہی گئی دیول لوک بھی نگاہ

''شام عبادت'' میں جمالیاتی اور کائناتی حسن کا احساس اتنا شدید نہیں جتنا کہ پرچھائیاں میں ہے۔اس نظم میں فراق نے انقلاب کی خواہش کا کھل کر اظہار کیا ہے۔اس نظم میں فراق نے ایک نئی دنیا کا خواب دیکھا ہے۔کہتے ہیں۔

اسی نئے جہاں میں آدمی بنیں گے آدمی
جبیں پہ شاہکار دہر کا نشاں لیے ہوئے
اسی نئے جہاں میں آدمی بنیں گے آدمی
طہارتوں کا فرق پاک پرنشاں لیے ہوئے
خدائی آدمی کی ہوگی اس نئے جہاں پر
ستاروں کے ہیں دل پر پیشن گوئیاں لیے ہوئے
ابھی ہے اک جہاں وہ بدگمانیاں لیے ہوئے

''ہنڈولہ'' بھی فراق کی کامیاب نظموں میں سے ہے اس نظم کا کینوس خاصا وسیع ہے یہ فراق کی اپنی زندگی کی داستان ہے اور تنہائی کے ایک مستقل احساس کی آئینہ دار ہے۔ ذیل کے حصے میں فراق نے وطن سے محبت کا اظہار ایک خاص سطح پر کیا ہے۔ یہاں ہندو یومالا سے ماخوذ کرداروں کو جو اخلاقی، سماجی، مذہبی اور تہذیبی اقدار کی علامت رہے ہیں۔فراق اپنے حوالے سے ایک مخصوص تناظر کے ساتھ سامنے لاتے ہیں:

دیارِ ہند تھا گہوارہ یاد ہے ہمدم
اسی زمین یہ کھیلا ہے رام کا بچپن
اسی زمین پہ ان ننھے منے ہاتھوں نے
کسی سمے میں دھنش بان کو سنبھالا تھا

یہیں گھروندوں میں سیما، سلوچنا، رادھا
کسی زمانے میں گڑیوں سے کھیلتی ہوں گی
انھیں میں آنکھ کھلی تھی اشوک اعظم کی
انھیں فضاؤں میں بچپن کٹا تھا وکرم کا
سنا ہے بھرتھری بھی انھیں سے کھیلا تھا

''جگنو'' بیانیہ انداز کی نظم ہے۔ اس کا لہجہ اور تاثر ڈرامائی ہے۔ اس پر فراق کے طرز احساس کی چھاپ بہت واضح ہے۔ یہاں فطرت سے گہری وابستگی اور بچپن کی یادیں ہیں۔ تیز مشاہدہ اور دل گداز تخیل کی آمیزش بھی ہے۔ یہ ایک علامتی نظم بھی ہے جو ایک جادوئی اثر رکھتی ہے۔ ماں کے کردار کو ایک اسطوری سطح بھی سامنے لاتی ہیں۔ ایک بند دیکھیے:

وہ ماں جو گلے سے مجھے لگا نہ سکی
وہ ماں جو دیکھتے ہی مجھ کو مسکرا نہ سکی
وہ ماں جو مجھ سے مٹھائی چھپا کے رکھ نہ سکی
کبھی جو مجھ سے دہی بھی چھپا کے رکھ نہ سکی
میں جس کے ہاتھ میں کچھ دیکھ کر ڈھک نہ سکا
پٹک پٹک کے کبھی پانو بھی ٹھنک نہ سکا
کبھی نہ کھینچا شرارت سے جس کا آنچل بھی
رچا سکی میری آنکھوں میں جو نہ کاجل بھی
وہ ماں جو میرے لیے تتلیاں پکڑ نہ سکی
وہ بھاگتے ہوئے بازو مرے جکڑ نہ سکی

غزل اور نظم کے علاوہ فراق نے رباعی کی صنف میں بھی منفرد اور گرانقدر اضافہ کیا ہے۔اس صنف میں نئے مضامین اور موضوعات کے لیے جگہ بنائی ہے۔فراق نے ان میں تنوع اور وسعت پیدا کی۔رباعی میں بھی انھوں نے مناظر فطرت کو بڑی کامیابی کے ساتھ برتا ہے۔موسموں سے متعلق ہندوستانی روایات اور ہندی الفاظ کے استعمال سے رباعیوں کی دلکشی میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔یہ تمام رباعیات ہندوستانی اساطیر اور ہندو دیومالا کے رنگ میں ڈوبی ہوئی خالص ہندوستانی مزاج کی حامل ہے۔

فراق نے1929ء میں رباعی لکھنا شروع کیا تھا۔ابتدائی اور کی رباعیوں میں کلاسیکی روایات کا اثر ہے۔لیکن1945 کے بعد کی رباعیات میں موضوعات کا تنوع اور فکر کی جدت اس صنف کو ایک نئی ذہنی فضا اور رجمالیاتی ذائقے سے ہمکنار کرتی ہے۔کچھ مثالیں دیکھیے:

دنیا جو سنور جائے سنور جانے دو
دنیا جو نکھر جائے نکھر جانے دو
یہ وقت نظارہ غنیمت ہے فراق
دل پہ جو گذر جائے گذر جانے دو

ہر فرقہ و ہر ملت و ہر مذہب ودیں
سب نے جائے پناہ پائی ہے یہیں
اولاد میں ممتا جھلکتی ہے تیری
دنیا کی مادرِ وطن ہے یہ زمین

ان رباعیوں میں مضامین کا فکری پس منظر مختلف ہے۔لب ولہجہ اور زبان بھی بہت منفرد ہے۔انھوں نے شرنگار رس کو مرکزی حیثیت دی ہے۔عام موضوع عورت کا حسن

وجمال ہے۔اردو شاعری میں محبوب کا حسن و جمال رباعی کا موضوع رہ چکا ہے۔لیکن فراق نے جس محبوب کے سراپا کی تصویر کھینچی ہے۔وہ خالص ہندوستانی ہے۔ان کی رباعیوں کا پس منظر سورداس، تلسی داس، بہاری اور ودیاپتی کی شاعری سے مرتب ہوا ہے۔نادر تشبیہات اور استعارات کی وجہ سے ان رباعیوں میں ایک نیا رنگ و آہنگ پیدا ہو گیا ہے۔مثلاً:

تاروں کو بھی لوریاں سناتی ہوئی آنکھ
جادو شب تار کا جگاتی ہوئی آنکھ
جب تازگی سانس لے رہی ہو دم صبح
دوشیزہ کنول سی مسکراتی ہوئی آنکھ

رباعیوں کے مجموعے ''روپ'' میں تین سو اکیاون رباعیات ہیں۔ان میں شرنگار رس کی مانوس فضا اور ہندی کے ریتی کال کی روایت کو ہم آمیز کر دیا گیا ہے۔ان میں عورت ہر صورت ہر روپ کے ساتھ سامنے آتی ہے۔گھریلو ماحول اور گھریلو محبت کے بھی بڑے حسین مرقعے موجود ہیں۔ان میں حقیقی زندگی کی حرارت بھی محسوس ہوتی ہے۔ہندوستانی ثقافتی روح کے ساتھ ہندو اساطیر اور ہندو مذہب کے مشہور کرداروں کو ان کے تلمیحاتی پس منظر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔مثلاً:

دیوالی کی شام گھر پتے اور سجے
چینی کے کھلونے جگمگاتے لاوے
وہ روپ وتی مکھڑے پہ نرم دمک
بچے کے گھروندے میں جلاتی ہے دیے
چوکے کی سہانی آنچ مکھڑا روشن

ہے گھر کی لکشمی پکاتی بھوجن

دیتے ہیں کر چھلی چلنے کا پتہ

سیتا کی رسوئی کے کھنکتے برتن

فراق نے کچھ رباعیاں ''اے مادر ہند'' کے عنوان سے وطن پرستی کے موضوع پر بھی لکھی ہیں۔ ان میں ہندوستان کی قدیم تاریخ اور ثقافت کے بڑے بلیغ اشارے ملتے ہیں۔ پیکر، تلازمے، استعارات وتشبیہات پر بھی ایک خاص طرح کا دیسی پن حاوی ہے۔اس کے علاوہ انفرادیت کا رنگ بہت گہرا ہے۔اسی وجہ سے وہ الگ سے پہچانے جاتے ہیں:

اے حلقہ زنجیر تو زنجیر نہیں

اک نقطہ تصویر تو تصویر نہیں

تقدیر تو قوموں کی ہوا کرتی ہے

اک شخص کی قسمت کوئی تقدیر نہیں

بقول جمیل جالبی:

''فراق کی رباعیاں چاند کی ان پرنور کرنوں کی طرح ہیں جن سے روح اور جسم دونوں کو آرام اور سکون پہنچتا ہے۔''

(جمیل جالبی، شاہکار، فراق نمبر ص:229)

شاعری کے میدان میں فراق کی فتوحات سے ایک زمانہ واقف ہے یہاں ان کی کامرانیاں اپنا ایک مخصوص آہنگ رکھتی ہیں۔لیکن فراق کی نثر بھی اس معاملے میں ان کی شاعری سے پیچھے نہیں ہے۔فراق نے نثر نگار کی حیثیت سے بھی اپنی حیثیت کا احساس دلایا ہے۔انھوں نے تنقیدی مضامین، مکاتیب، پیش لفظ، اور افسانے لکھے۔ اندازے، حاشیے،

اردو کی عشقیہ شاعری، اردو غزل گوئی اور من آنم ان کے نثری کارنامے ہیں۔

فراقؔ نے شاعری کی طرح نثر میں بھی اپنی روایت سے استفادہ کیا۔لیکن ان کی نثر میں انفرادیت کے عناصر نمایاں ہیں۔فراقؔ کا ادبی ذوق بہت رچا ہوا اور تنقیدی شعور بہت گہرا تھا۔اندازے میں فراق نے دس موضوعات پر مضامین قلم بند کیے ہیں۔مصحفی، ذوقؔ اور حالیؔ پر مضامین خاصے طویل ہیں۔مجموعی طور پر فراقؔ کی تنقید تاثراتی ہے۔انھوں نے مصحفی، ذوق اور حالی پر جو مضامین لکھے ہیں ان میں تجزیے سے زیادہ ایک طرح کی لطف اندوزی کا انداز ملتا ہے۔تاثر آفرینی سے انھیں طبعی مناسبت ہے۔اس طرح فراقؔ نے تنقید کو روحانی سرگزشت بنادیا ہے۔فراقؔ کی تنقید کسی سکہ بند اور بندھے ٹکے اصول کو اپنا کرنہیں چلتی بلکہ اپنے مخصوص اسلوب کی وجہ سے ایک الگ دبستان تخلیق کرتی ہے۔ان کی تنقیدی فکر پر ان کے اپنے تصورات کا اور جمالیاتی اور روحانی نظریات کا عکس ملتا ہے۔ فراق ایک بے باک نقاد ہیں۔انھوں نے جن شخصیتوں پر مضامین لکھے ہیں وہ ان سے محبت بھی کرتے ہیں۔ایک ذاتی قسم کی یگانگت اور ہم آہنگی کے احساس نے فراق کی تنقیدوں میں ایک شخصی واردات ایک افسانے کی شان پیدا کردی ہے۔

اب اخیر میں چند باتیں فراقؔ کی مکتوب نگاری کے بارے میں۔اردو مکتوب نویسی کی روایت طویل ہے۔ان سے لکھنے والے کی سوانح کا پتہ چلتا ہے کہ زمانے کے تاریخی، سماجی اور سیاسی واقعات کا عکس بھی ان میں جھلکتا ہے۔اردو میں غالب، سرسید، اور مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔فراقؔ کے خطوط کا مجموعہ ''من آنم'' کے نام سے شائع ہوا۔یہ تمام خطوط محمد طفیل کے نام لکھے گئے ہیں۔ان کی نوعیت فرمائشی ہے۔کتابی شکل میں شایع ہونے سے پہلے یہ خطوط محمد طفیل کے نقوش میں چھپے تھے۔فراق نے ان خطوط میں

اپنی زندگی کے واقعات کا بیان کیا ہے۔ لیکن ان میں ان کی شخصیت کی مکمل عکاسی نہیں ہوتی۔ ان خطوط میں ادبی نکات اور فلسفیانہ بحثیں ملتی ہیں۔ پڑھنے میں دلچسپی کا عنصر برقرار رہتا ہے۔ یہی ان کے خطوط کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

تنقیدی مضامین اور مکاتب کے علاوہ فراقؔ کے لکھے ہوئے پیش لفظ، تعارف کچھ افسانے اور تراجم بھی ہیں۔ انھوں نے ہم عصر نشور واحدی کی ''آتش دم'' رام لعل کی نئی دشکیں''، صبیحہ انور اور مسرور جہاں کے افسانوں کے مجموعوں کے دیباچے لکھے۔ ان تحریروں میں انھوں نے مصنف کے فن اور متعلقہ صنف پر بھی اظہار خیال ہے۔ عام طور پر ان میں تاثراتی اور رومانی انداز نظر آتا ہے۔

فراقؔ کا افسانہ ''سچ کہاں ہے'' شاہکار الہ آباد کے فراق نمبر میں شامل کیا گیا ہے۔ اصلاحی نوعیت کا حامل ہے۔ اس میں دیہات کے لوگوں کی زندگی اور ان کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس افسانے میں فراق نے فلسفیوں کے حوالے بھی دیے ہیں۔ پریم چند کا اثر صاف نظر آتا ہے۔ زبان و بیان سادہ اور سلیس ہے۔

فراقؔ کے تراجم میں شیکسپیئر کا ڈراما ہملیٹ، رابندر ناتھ ٹیگور کی کتاب 'گیتا نجلی' اور رابندر ناتھ ٹیگور کی ایک سو ایک نظمیں شامل ہیں۔ 'ہملیٹ' کا فراق نے بہت موثر ترجمہ کیا ہے۔ ترجمے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ ترجمہ معلوم نہ ہو بلکہ اس پر اصل کا گمان ہو یہی خوبی فراق کے ان تراجم میں نظر آتی ہے۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ فراقؔ کہیں بھی اپنی طرف سے تحریف کا اضافہ نہیں کرتے۔ ٹیگور کے موضوعات اور طرز ادا سے فراق ایک طرح کی داخلی ہم آہنگی رکھتے تھے۔ گیتا نجلی کا ترجمہ فراق نے بڑی محنت اور لگن سے کیا ہے۔ فراقؔ کی ایک نایاب کتاب جس کا نام 'ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے'' علی احمد فاطمی کی

دریافت ہے یہ انھیں آگرے کی ایک ذاتی کتب خانے سے دستیاب ہوئی۔ اس کے بارے میں علی احمد فاطمی لکھتے ہیں: ''اڑتالیس صفحات پر مشتمل عزیزی پریس آگرے سے شائع شدہ یہ کتاب سنگم پبلشنگ ہاؤس الہ آباد کے زیر اہتمام نشر ہوئی ہے''

(فراق: دیار شب کا مسافر از شمیم حنفی رسالہ جامعہ دہلی، ص:205)

یہ کتاب دو حصوں میں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں انھوں نے ہندوؤں تقسیم ہند سے پیدا شدہ فرقہ ورانہ تعصب اور تنگ نظری کو ختم کرنے کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کی زبان سادہ اور رواں دواں ہے۔ اردو کے ساتھ ساتھ بول چال کے بے شمار ہندی الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے اس کتاب کی ان کی خاص معنویت ہے: بقول مرتب:

''آج کے سلگتے ہوئے ماحول میں کہ جہاں فرقہ واریت ایک بار پھر اپنے بال و پر کھول چکی ہے اور لوگوں کے دماغ اور دل میں قدم جما چکی ہے۔ اور جہاں دانش ور طبقہ اپنا علمی اور انسانی فرض بھول کر اپنی عزت و آبرو بچانے کی خاطر تقریباً گوشہ نشیں ہو چکا ہے۔ فراقؔ جیسے دانش ور کی ایسی تحریروں کو نئے انداز سے قارئین اور ناقدین کے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔''

فراق دیار شب کا مسافر، شمیم حنفی، رسالہ جامعہ، دہلی ص:212)

فراق ایک عظیم شاعر اور نثر نگار تھے۔ انھوں نے شاعری میں غزل، نظم، اور رباعی میں طبع آزمائی کی ہے۔ نثر میں تنقیدی مضامین خطوط اور تراجم پیش کیے ان کی انفرادیت کا رمز اس واقعے میں مضمر ہے کہ ان کی ہر تحریر میں ان کی شخصیت جلوہ گر ہے۔ انھوں نے شاعری

اور نثر دونوں میں ہندوستانی ثقافت ہندو دیو مالائی عناصر کو خاصے رچاؤ اور سلیقے کے ساتھ برتا ہے۔ فراقؔ صحیح معنوں میں ایک ایسے شاعر ہیں جن کی شاعری میں ہندوستانی عناصر سب سے زیادہ ہیں۔ ہندوستانی روح ان کی نس نس میں موجود تھی۔ اس مضمون میں ہم نے اپنے زمانے کی ایک غیر معمولی ہندوستانی اور بے مثال ادبی شخصیت کی ذہنی جستجو کا افسانہ مرتب کرنے کی کوشش کی ہے جس نے اردو زبان اور ادب کو ایک نئی روایت سے روشناس کرایا جو ہندوستانی بھی ہیں، ہنداسلامی بھی ہے اور بین اقوامی بھی۔ ایسی ہمہ گیری ہمیں اردو ادب کی تاریخ میں معدودے چند ادیبوں میں ملتی ہے۔

شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی کا اکیڈمک ریسرچ اینڈ ریفرڈ جرنل

ششماہی

اردو نامہ

ISSN 2320-4885

شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی

ISSN 2320 –4885

مدیر

پروفیسر صاحب علی

شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی